ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور پاکستان

بانیٔ ادارہ
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی
قدس سرہٗ

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

— کا —

امیروں اور افسرانِ حکومت سے خطاب کرو

اے امیرو! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ تم دنیا کی فانی لذتوں میں کیوں ڈوبے جا رہے ہو۔ جن لوگوں کی نگرانی کا کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے انہیں تم نے چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ ان میں سے بعض لوگ بعض دوسرے لوگوں کو کھلتے اور نگلتے رہیں کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر تم اپنے اس فعل کو برا بھی نہیں سمجھتے؟ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لیے کھڑے کر لیے ہیں کہ ان میں زناکاری کی جائے، شراب ڈھالی جائے اور جوا کھیلا جائے؟

لیکن

تم مداخلت کر کے ان کو روکتے نہیں؟

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

۹ مئی ۱۹۷۵ء

۶۰ پیسے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ۔

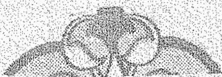
ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری محبت واجب ہو گئی ان لوگوں کے لیے جو میرے لیے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، میرے لیے ایک دوسرے سے مل بیٹھتے ہیں، میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرنے جاتے ہیں۔ اور میرے لیے ایک دوسرے کے اوپر خرچ کرتے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الآداب)

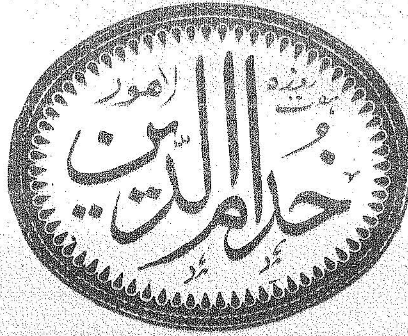
محبت انسان کا ایک شریف جذبہ ہے بشرطیکہ اس سے وہی کام لیا جائے جو قدرتی طور پر اس سے لینا چاہیے۔ ورنہ پھر یہی جذبہ بہت سی خرابیوں کا باعث ہو جاتا ہے۔ اگر یہ صحیح طور پر کام کرے تو دنیا اور آخرت دونوں کے کام ٹھیک ہو جائیں اور اگر غلط راستہ پر چل پڑے تو پھر اس سرے سے اس سرے تک تمام کام بگڑتے چلے جاتے ہیں۔ آدمی کی خود غرضی تقاضا کرتی ہے کہ ان چیزوں کی طرف مائل ہو جو اس کے لیے نفع بخش ہوں لیکن تقویٰ کا تقاضا ہے کہ انسان محبت سے اندھا ہو کر حق، صداقت اور انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

یہیں ممکن ہے کہ ایک چیز کو بہت سے آدمی اپنے لیے نفع بخش سمجھیں، ان بناء پر ان کے درمیان چھینا جھپٹی، کینہ، حسد، بغض، دنگا فساد اور مار پیٹ غرض سب کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دشمنی اور حسد کے جوش میں ایک دوسرے کو تباہ کر ڈالیں۔ اور اس چیز کو جسے ہر ایک لینا چاہتا تھا کوئی بھی نہ لے سکے۔ اسلام سکھاتا ہے کہ مال و دولت، عزت، حکومت وغیرہ دنیا کی چیزوں کی محبت ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ اندھا دھند محبت نہ کرو۔ کہ ان کی محبت میں سب کچھ فراموش کر بیٹھو۔ فقط اللہ سے دل لگاؤ۔ اور اسی کوشش میں لگے رہو کہ اللہ تم سے محبت کرنے لگے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کی صورت اس حدیث میں بتائی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم چاہتے ہو کہ میں تم سے محبت کروں تو تم آپس میں ایک دوسرے سے بے غرض محبت کرو۔ جو لوگ فقط میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور میرے ہی لیے ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاقات رکھتے ہیں اور میرے ہی لیے مال خرچ کرتے ہیں وہ یقین رکھیں کہ میں ان سے ضرور بالضرور محبت کروں گا۔

مقصد یہ ہوا کہ اپنی غرض کے لیے کسی سے محبت کرنا چھوڑ دو۔ جس سے بھی محبت کرو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرو۔ ایسے لوگوں کی مجلس میں بیٹھو جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے جمع ہوں۔ جس سے ملاقات کے لیے جاؤ محض اللہ کی محبت کی وجہ سے جاؤ اور جس کو کچھ دو اللہ کی خاطر دو۔ ایسا کرنے سے اللہ بھی ضرور تم سے محبت کرے گا۔



ادارۂ تحریر
مولانا عبیداللہ انور
محمد سعید الرحمٰن علوی
زاہد الراشدی



رئیس التحریر
مفکر اسلام
قائد اسلامی انقلاب
مولانا مفتی محمود

جلد ۲۰ — شمارہ ۵۰	۲۷ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ — ۹ مئی ۱۹۷۵ء	قیمت ۶۰ پیسے

قائد جمعیت پر حملہ

ع: پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

گزشتہ ہفتہ قائد جمعیۃ، مفکر اسلام، حضرت امام انقلاب مولانا مفتی محمود پانچ دن کے دورہ پر سندھ تشریف لے گئے۔ ان کے دورہ کے آخری دن، دن کے وسط میں اس وقت ان کی کار پر پستولوں، لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے حملہ کیا گیا جبکہ وہ سجاول ضلع ٹھٹھہ میں سفر فرما رہے تھے۔

اللہ تعالٰی نے موصوف کو بال بال محفوظ رکھا البتہ دو ساتھی زخمی ہوئے۔

سن ۷۰ء کے بعد ملکی سیاسیات پر گہری نظر رکھنے والے حضرات اس حملہ کے پس منظر سے بخوبی واقف و آگاہ ہیں۔

دراصل قیام پاکستان کے متصل ہی اس ملک کے سیاہ و سفید پر کلاً یا جزوی طور پر اس قسم کے لوگ مسلط رہے جو اس ملک کے نظریہ، مقاصد اور ضرورتِ قیام سے یا تو ناواقف تھے یا دانستہ شروع ہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقیقی مقاصد سے روگرداں۔

ان لوگوں نے جو بجا طور پر سازشوں کی پیداوار تھے ہمیشہ ہی یہاں کی آبادی کے چین و سکون کو غارت کرنے کی کوشش کی اور امن و اطمینان کی فضا پیدا نہیں ہونے دی۔

اس روش کے نتیجہ میں ملک سیاسی طور پر عدم استحکام کا شکار رہا۔ اقتصادی طور پر اس کا دیوالیہ نکل گیا۔ خارجی اعتبار سے وہ یکہ و تنہا رہ گیا اور اخلاقی نقطۂ نظر سے اس کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔

ان عوامل کے نتیجہ میں سن ۷۱ء کا المیہ سامنے آیا۔ جس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ ملک ٹوٹا اور دولخت ہو گیا بلکہ اتنا قتل عام ہوا اور اتنی عصمت دری ہوئی کہ شاید چشمِ فلک نے اس سے پہلے اس قسم کا خونی منظر نہ دیکھا ہو۔

جو قوم ایمان و عقیدہ کی مضبوط قوت اور اخلاق و کردار کی بلندی کی وجہ سے دنیا میں اپنا نام پیدا کر چکی تھی اس کی باہمی سر پھٹولی اور آپس میں ایک دوسرے کی عصمتوں سے کھیلنے کا مکروہ ڈرامہ اغیار نے دیکھا تو وہ کتوں، گدھوں اور کرگسوں کی طرح اس تن مردہ پر جھپٹ پڑے اور جو ہوا ہم نے دیکھ لیا۔

اس کے بعد بھی شرافت و انسانیت کی اعلٰی قدریں ہم سے اسی طرح روٹھی رہیں اور دامن اسلامیت اسی طرح تار تار رہا۔

ملک کا باقی حصہ ہماری کوتاہ چشمی اور بے بصیرتی کی وجہ سے آج ایک بار پھر بربادی کے کنارے ہے اور شرافت و مروت، تحمل و بردباری کا دور دور پتہ نہیں۔

حکمران طبقہ جو پیہم سازشوں کے اس موڑ پہ پہنچا ہے وہ اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے میں ڈٹا رہا ہے اور اس ڈیوٹی کے پورا ہونے میں جو قوت مانع ہوتی ہے اس کے لیے ابتداءً ترغیب کا ڈول ڈالا جاتا ہے، اس سے بات نہیں بنتی تو تخریبت کے ہتھکنڈے استعمال ہوتے ہیں حتیٰ کہ نوبت سیاسی قتل تک پہنچ جاتی ہے۔

اب تک سرحد و بلوچستان میں جو کچھ ہوا اور ابھی آزاد کشمیر میں جس طرح تاریخ دہرائی گئی اور پنجاب و سندھ میں آئے دن کی تبدیلیاں، مار دھاڑ، پکڑ دھکڑ اور جیل و بیڑی کا اندھا دھند استعمال، اقتصادی اعتبار سے قوم کا ناک میں دم کرنا، بنیادی حقوق کو پامال کرنا سب اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جو ایک "خاص ڈیوٹی" پہ براجمان طاقتوں کا لازمہ ہوتی ہیں۔

ان کڑیوں میں سیاسی قتل کی داستان اتنی طویل ہے کہ ملک کی باقی تاریخ اپنے دامن میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں رکھتی۔

اب تک جتنے قتل ہوئے ان کی داستان مرتب کریں اور پھر ان بہادر اور دلیر انسانوں کے خون کو جس طرح ہضم کیا گیا اور ان پر قہقہے لگائے گئے ان کا اندازہ لگائیں تو آپ حیران ہوں گے کہ ہم کس "جاہلیت قدیمہ" میں پلٹ کر پہنچ چکے ہیں۔

لیکن اس طرح کے اقدامات کرنے والے غالباً اتنی سی بات نہیں سوچتے کہ قہار و جبار کی بے آواز لاٹھی بالآخر غلام محمد کے بے مسلمانوں کے قبرستان اور سکندر مرزا کے لیے پاکستان کی زمین "تنگ" کر دیا کرتی ہے۔

مفتی صاحب مکرم پہ یہ پہلا حملہ نہیں بلکہ تیسری بار ان کے خون سے ہاتھ رنگنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن قدرت نے چونکہ ابھی ان سے کام لینا ہے اس لیے بحمدہٖ و بمنہٖ وہ بال بال بچ گئے۔

نہیں یہ بات واضح طور پر کہنی ہے کہ موت و حیات اللہ کے قبضہ میں ہے۔ آخری لمحہ آ جانے کے بعد کوئی بچا نہیں سکتا۔ اور اس سے پہلے کوئی مار نہیں سکتا۔ البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ ظالم و بیداد صفت عناصر اپنے نامۂ اعمال کی چھوٹی موٹی نیکی (بشرطیکہ ہو) مظلوم کے کھاتہ میں ڈال کر خود غضب و قہر الٰہی کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ اور بالآخر تاریخ انہیں نشانِ عبرت بنا دیتی ہے اس لیے مفتی محمود کی زندگی سے کھیلنے والو ہوش سے کام لو۔

مفتی محمود کسی فرد یا شخصیت کا نام نہیں وہ ایک ادارہ، انجمن اور تحریک ہیں وہ حق و صداقت کی طویل تاریخ کا ایک درخشاں باب ہیں۔ وہی تاریخ جس کی کڑیوں میں بلال و صہیب کی مظلومیت ہے امام احمد بن حنبلؒ کا پٹنا ہے، مجدد الف ثانیؒ کا گوالیار کے قلعہ میں نظر بند ہونا ہے، خانوادہ ولی اللٰہی کا شاملی، دلی اور بالاکوٹ کے میدانوں میں تڑپنا ہے اور مالٹا کراچی کی اسیری ہے۔

لیکن جس طرح وہ قدسی صفات بزرگ بالآخر رفعت و بلندی کی معراج پہ پہنچ کر تاریخ اسلام کا سنہری باب بن گئے اسی طرح مفتی محمود ہے اور جس طرح ان کے مدمقابل آج تاریکیوں میں ہیں اور ان کا نام لیتے ہوئے گھن محسوس ہوتی ہے یہی انجام تمہارا ہوگا۔

آج اس ملک کا بچہ بچہ مفتی محمود ہے۔

خدائے برتر کی قسم، مفتی محمود کے ایک اشارۂ ابرو پہ لاکھوں فدائین اپنی جانیں کٹوانے کے لیے تیار ہیں۔ جبکہ تم ۳۱۳ فدائین کی تلاش میں سرگرداں ہو۔ یاد رکھو کہ جس تحریک دعوت حق کا علمبردار مفتی محمود ہے اس کی خاکستر میں ہزاروں چنگاریاں ہیں اور یہ چنگاریاں تمہارے خرمن کو جلا کر دم لیں گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم اپنی روش تبدیل کر لو ورنہ قافلہ سالار حق محمود الملت والدین کا زبردست خدا اپنی جباری و قہاری سے تمہیں اسی صف میں لا کھڑا کرے گا جو صف فراعنہ، نماردہ اور دوسرے ارباباً من دون اللہ کی ہے جو چار دن کی سطوت میں شیطان مجسم بن جایا کرتے ہیں لیکن بالآخر پانی کی لہروں اور مچھر کی کاٹ کا شکار ہو

جاتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

تحصیل ڈسکہ کے حکام اور قادیانی

دفتر خدام الدین میں موضع مدینی والا تحصیل ڈسکہ کے ۱۲-۱۴ معززین کے دستخطوں سے ایک چھٹی موصول ہوئی ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ اس گاؤں کی ایک مسجد جو قادیانی فتنہ سے بھی پہلے کی ہے آج کل مرزائی امت کی دست برد کا شکار ہے اور تحصیل کے حکام ان کی جھوٹی اور من گھڑت شکایات کے پیش نظر انہی کا ساتھ دے کر خانہ خدا کی بربادی پر تلے ہوئے ہیں اور انہوں نے مسلمانوں کو اذان و نماز سے روک دیا ہے۔

یہ چھٹی ہم نے بار بار پڑھی یقین نہیں آرہا تھا کہ پاکستان میں ایسے حکام بھی ہوں گے جو ایک آئینی کافر اقلیت کی پشت پناہی میں اتنے آگے بڑھ جائیں گے کہ مسلمانوں کا داخلہ مسجد سے روک دیں بالآخر ہمیں اس چھٹی کے مندرجات کو ماننا پڑا اور اس کے ساتھ ہی ہم تاسف و حیرانی کے عالم میں ڈوب گئے۔

فتنہ مرزائیت کے ظہور پذیر ہونے کی کہانی، اس کا پس منظر اور اس کی زندگی کے شب و روز کا ایک ایک لمحہ اب کھل کر سامنے آچکا ہے اور خود مرزائیوں اور ان کے حاشیہ نشینوں کی ہزار کوشش کے باوجود ان کا کفر چھپ نہیں سکا۔ بلکہ اسمبلی کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ کافر ہیں۔ لیکن ایک فیصلہ کے آئینی و قانونی تقاضے تا حال جوں کے توں تشنہ تکمیل ہیں بلکہ ایک طرح مسلمان اب بھی مظلومیت کے عالم میں وقت گذار رہے ہیں۔

مسلمان رہنماؤں اور ورکروں کے خلاف مقدمات، مرزائیوں کے ہیڈ کوارٹر ربوہ کا سابقہ حیثیت میں موجود ہونا۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے افسروں کا اپنے مقام پر موجود ہونا، شعائر اسلامی کا بے دھڑک استعمال اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اس فیصلہ کے خلاف زہر اگلنا ایسی دردناک حقیقتیں ہیں جن کو جھٹلانا حکومت کے بس کی بات نہیں۔

لیکن نہ معلوم وہ کون سی مخفی طاقتیں ہیں جن کی وجہ سے اس فیصلہ پر عملدرآمد کے معاملہ میں تاخیر و تعویق کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

ارباب اقتدار کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ جو فیصلہ ہوا یہ بہت کم درجے کا ہے ورنہ اس طبقہ کے متعلق اصل فیصلہ وہی ہے جو دور صدیقی میں ہوا لیکن مسلمانوں نے حوصلہ و صبر سے کام لیا اور اتنے سے فیصلہ پر متفق ہو گئے۔ اس کے باوجود ان کا یہ طرز عمل آخر کس بات کی غمازی کرتا ہے؟

اور پھر مختلف مقامات کے حکام کا طرز عمل اتنا افسوسناک اور پریشان کن ہے کہ الامان ——— کیا حکمران طبقہ یہ نہیں چاہتا کہ یہاں امن و سکون کی فضا قائم ہو؟ کیا وہ اس پر خوش ہیں کہ مسلمان بزور اپنے حقوق کا تحفظ کریں؟

انہیں یقین کرنا چاہیے کہ مسلمان کا اپنی ہزار کمزوریوں کے باوجود ذات نبوت سے تعلق بڑا حساس واقع ہوا ہے اور وہ اس موڑ پر بہت کچھ کر گزرتا ہے اس لیے مناسب ہے کہ ایسا وقت آنے سے پہلے ارباب اقتدار اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور خدا و رسول کے بے نہ سہی اپنے ہی بنائے ہوئے ضوابط کے احترام کا احساس کریں۔

موضع مدینی والا کی مسجد کے متعلق جن حکام نے یہ جانبداری برتی ہے ان کے خلاف موثر کارروائی ازبس ضروری ہے اور ملکی سطح پر مرزائیوں اور ان کے گماشتوں کی ریشہ دوانیوں کو روکنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

ہم مجلس عمل کے ارباب حل و عقد سے بھی اس قسم کی شکایات کا فوری نوٹس لینے کی گزارش کریں گے۔

حکام کی ناعاقبت اندیشی

گولیمار کراچی سے محترمہ زوجہ مرزا وحید بیگ کی چٹھی موصول ہوئی جس میں مرزا صاحب کے جلے ہوئے مکان کا فوٹو بھی شامل ہے۔ اس چٹھی میں محترمہ نے شکایت کی ہے کہ ۲۲ مارچ ۶۵ء کو شیعہ جلوس نے

باقی صفحہ ۱۲ پر

جنّ و انس کا مقصدِ تخلیق عبادتِ الٰہی ہے !

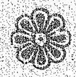
★ ——— حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب

چونکہ اللہ کی ذات عظیم ہے تو اس کا ذکر بھی عظیم ہے !

★ ——— قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب

۲۵۔ اپریل ۸۰ء بروز جمعہ جانشین شیخ التفسیر حضرتِ اقدس مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم واہ کینٹ کے درسِ قرآن وحدیث کی سالگرہ کے سلسلہ میں تشریف لائے۔ یک لالہ ائیرپورٹ پر معتقدین کا ایک جمِ غفیر قدمبوسی کے لئے موجود تھا۔ حضرتِ اقدس محترم جناب صوفی محمد یونس صاحب کی دعوت پر تھوڑی دیر جامع مسجد چونگی ۲۲ میں رونق افروز ہوئے۔ نمازِ مغرب کے بعد ذکر ہوا تو مسجد کے در و دیوار سے اللہ اللہ کی صدائیں گونج اٹھیں۔ ایک نورانی سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ذکر سے قبل حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نے آدابِ ذکر کے سلسلہ میں چند کلمات کہے اور ذکر کے بعد حضرتِ اقدس نے مختصر تقریر ارشاد فرمائی۔ دونوں اکابر کے ارشادات ہدیۂ قارئین ہیں۔ (احقر محمد عثمان غنی)

آدابِ ذکر اللہ



از حضرت قاضی
محمد زاہد الحسینی صاحب مدظلہ

خطبہ مسنونہ کے بعد:

محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو! اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات پر اور ہم سب پر اپنا فضل و کرم فرمایا۔ اور اپنے گھر میں آنے کی، نماز باجماعت ادا کرنے کی اور اس دور کے ولیٔ کامل کی اقتداء میں سجدہ ریزی کی توفیق عطا فرمائی۔ محترم المقام صوفی محمد یونس صاحب کے حسبِ ارشاد مجلسِ ذکر کے آداب کے سلسلہ میں چند معروضات پیشِ خدمت ہیں۔

ذکر کا طریقہ

قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:
وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (عنکبوت ۴۵)

(اللہ کا ذکر ہر عبادت سے بڑا ہے) چونکہ اللہ کی ذات عظیم ہے تو اس کا ذکر بھی عظیم ہے۔

ہر عبادت کے آداب ہوتے ہیں۔ مجلس ذکر کے بھی کچھ آداب ہیں۔ اس ملک میں سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ کے عالی مقام مسند نشین، صاحبِ رشد و ہدایت، منبع فیوض و برکات، ہم سب کے روحانی پیشوا، جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم ابھی ذکر کرائیں گے۔ پہلے گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھی جائے گی اور اس کے بعد دعا کی جائے گی کہ اے

اس کو قبول فرما اور اس کا ثواب امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی میں پہنچا کر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پرفتوح کو عطا فرما۔ پھر ذکر شروع ہوگا۔ سب سے پہلے صاحب مسند تین مرتبہ پورا کلمہ شریف اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھیں گے اور ہم سب ان کے پیچھے پیچھے دہراتے جائیں گے۔ اس کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر ایک ہزار مرتبہ، پھر اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر ایک ہزار مرتبہ، پھر اَللّٰہُ (جل شانہ) کا ذکر ایک ہزار مرتبہ اور پھر آخر میں صرف ھُوْ کا ذکر ایک ہزار مرتبہ ہوگا۔ ذکر کے اختتام پر مراقبہ ہوگا۔ اور پھر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر مراقبہ ختم کر کے دعا کی جائے گی۔

ذکر کی گنتی صاحب مسند کرتے ہیں دوسرے احباب گنتی نہ کریں، اس موقع کو غنیمت جانیں اور اللہ کا ذکر کر کے اس کا قرب حاصل کریں۔

یہ چند گذارشات محض صوفی صاحب موصوف کی فرمائش پر پیش کر دی گئی ہیں۔ ورنہ ہمارا کیا مقام ہے کہ ہم اتنی عظیم شخصیت کے سامنے لب کشائی کر سکیں۔

اب حضرت دامت برکاتہم ذکر کرائیں گے۔ آپ سب حضرات اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اس کی طرف لو لگائیں اور ذکر الٰہی کی حلاوت سے لطف اندوز ہوں۔ ذکر کے بعد حضرت عالی مقام کے ارشادات گوش د ہوش سے سنیں اور لوح دل پر لکھ کر لے جائیں۔ ان پر عمل کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ نجات ہو جائے گی۔

ارشاداتِ عالیہ

از حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم

خطبہ مسنونہ کے بعد:۔

قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد)

(خبردار! اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے اس دھرتی اور تمام کائنات کو کیوں پیدا فرمایا؟ اس نقاب کشائی کے لیے یہ طولانی سلسلہ کیوں قائم فرمایا۔ یہ ارشاد بھی قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (ذاریات ۵۶) جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ عبادت سے خالق کو راضی کر سکیں۔ اولاد جننا، بلڈنگیں، کارخانے بنانا اور کھانا پینا مقصد تخلیق نہیں ہے۔ یہ تو سب چیزیں آنی جانی فانی ہیں کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (قصص) یہ تمام سلسلے جھمیلے ختم ہو جائیں گے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہ جائے گی۔

اجتماعی ذکر کے فوائد

ابھی ہم نے ذکر الٰہی مل بیٹھ کر کیا۔ اجتماعی ذکر میں بڑی برکات ہیں۔ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ سراً یا جہراً ذکر کی توفیق بھی خدا تعالیٰ ہی دیں تو ملتی ہے ورنہ بہتیرے لوگ خوش گپیوں میں مصروف ہیں ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (بقرہ ۱۰۵)

ع ۔ پیا جس کو چاہیں سہاگن بنائیں

یہ اجتماع ذاکرین محض خدا کی عنایت ہے۔ اللہ نے آپ حضرات کو کہاں کہاں سے بلا کر اپنے گھر میں

جمع کر دیا اور اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ گویا ہم نے اپنا مقصدِ تخلیق پورا کیا ہے۔

تزکیہ باطن

پرسوں واہ کینٹ میں حضرت قاضی صاحب کا درسِ قرآن حدیث ہے جو یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ کا فریضہ پورا کر رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ وَیُزَکِّیْهِمْ کا فریضہ بھی صوفیائے کرام ادا کر رہے ہیں۔ قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلاسل برحق ہیں اور سب کی اصل غایت سالکین کو اللہ تعالیٰ تک پہنچانا ہے یہ حضرات اللہ کے پاک نام سے دلوں کو مانجھ کر مزکیٰ اور مصفّیٰ کر دیتے ہیں۔ جب دل میں یادِ الٰہی رچ بس جائے گی تو پھر غیر اللہ کا خیال بھی نہیں آ سکے گا۔ ایک چھوٹے سے پیالے میں اگر مٹی بھر دی جائے تو پھر چاہیں کہ اس میں سونا بھر دیا جائے تو یہ ناممکن ہے جس دل میں غیر اللہ سما گیا تو اس کی یہ ہلاکت ہے۔

ہادی کی ضرورت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے یا تو انسان خود بینا ہو یا کسی آنکھوں والے کے ہاتھ میں ڈنگوری دے دے یا تو انسان خود کامل ہو یا پھر کسی کامل کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ انشاء اللہ منزلِ مراد مل جائے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے کہ اس نے ہمیں صحیح العقیدہ سچا کھرا محمدیؐ مسلمان بنا کر اہلِ حق کے ساتھ وابستہ فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی صراطِ مستقیم پہ استقامت عطا فرمائے۔

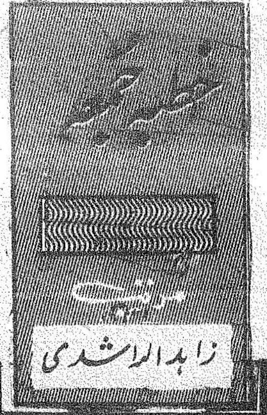
مساجد کی مرکزی حیثیت

قرونِ اولیٰ میں مساجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ عدالت کے کام بھی وہاں ہی طے پاتے تھے نکاح وہیں ہوتے تھے، تعلیم و تعلّم کے مراکز بھی مساجد ہی تھیں۔ اب ہم نے اپنی قدیم روایات کو ترک کر کے اغیار کے طور طریق اپنا لیے اور نتیجہ بھی پھر ظاہر ہے خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ط ہم نے مساجد میں نکاح پڑھوانے کی بجائے کوٹھیوں میں نکاح پڑھوانے شروع کر دیے اور وہاں تمام غیر شرعی رسوم مثلاً باجے، گاجے، مہندی، سہرا وغیرہ ادا کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پھر ایسی شادیاں بابرکت بھی نہیں ہوتیں۔ خیر و برکت کے محور و مرکز مساجد اللہ ہیں۔ اگر وہاں نکاح پڑھوائے جائیں اور کسی نیک بندے سے دعا کرائی جائے تو پھر تا حیات برکات حاصل رہیں گی۔ صحابہؓ نے بھی تو شادیاں کیں، انہی کا طریق ہمارے لیے نجات کی سبیل ہے۔ ان کے نکاح مساجد میں ہوتے تھے۔ جبھی تو وہ دنیا پہ چھا گئے اور ہم رسوا ہیں۔

دینی تعلیم کی اہمیت

فلاح و فوز کے حصول کے لیے دینی تعلیم ازحد لابدی ہے۔ جہاں جہاں دینی تعلیم کے مراکز موجود ہیں اُن کی دامے درمے قدمے سخنے اعانت کریں اور جہاں ایسے مراکز نہیں ہیں وہاں دینی تعلیم کے مدارس قائم کریں۔ اگر دینی مدارس میں داخل ہو کر علوم کی تحصیل نہیں کر سکتے تو ایک سے ایک بڑھ کر مترجَم اور محشّیٰ قرآن کریم دستیاب ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت لاہوریؒ اور دیگر اکابر کے حواشی کا مطالعہ کیجئے۔ اگر ایک رکوع بھی غور و خوض سے روزانہ پڑھ لیا جائے تو زندگی میں انقلاب آ جائیگا۔ اور وہی شخص جو جہنم کی طرف سرپٹ دوڑا جا رہا تھا یک بیک جنت کی شاہراہ پہ گامزن ہو کر دولتِ فوز و فلاح سے ہمکنار ہو جائے گا۔ اس مجلس میں لاہور کے ہمارے ایک بھائی میاں صادق صاحب تشریف فرما ہیں انہوں نے اپنے ایک دوست کو یہ نیک مشورہ دیا کہ آپ صبح اٹھ کر اخبار میں جو آدھ گھنٹہ صرف کرتے ہیں اس میں سے پندرہ منٹ قرآن کا ایک رکوع باترجمہ تلاوت کر لیا کریں اور پندرہ منٹ اخبار پڑھ لیا کریں اس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جائیں گے، آپ کی زندگی بھی خوش و خرم گزرے گی۔ اور آپ اخبار سے بھی واقف رہیں گے۔ میں سمجھتا ہوں یہ نہایت ہی صائب مشورہ ہے۔ پرانے زمانے میں صبح ہر گھر سے قرآن پڑھنے کی آواز بلند ہوتی تھی۔ اب

(باقی صـ۲۰ پر)



برصغیر کی آزادی کیلئے سب سے زیادہ قربانیاں

علماءِ اسلام نے دی ہیں

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی: اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:۔

وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (آل عمران۔ ع ۵)

ترجمہ: اور سست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اور تمہیں غالب رہو گے اگر تم ایماندار ہو۔

بزرگانِ محترم، معزز حاضرین، محترم خواتین۔!

آج کی معروضاتِ جمعہ کا عنوان یہ ہے کہ دنیا میں سستی اور غم سے کام نہیں چلتے۔ اللہ تعالےٰ پہ بھروسے اور ایمان سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس ضمن میں آیت کریمہ بطور تبرک تلاوت کی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں وَلَا تَھِنُوْا اور کمزوری نہ دکھاؤ تمہیں کسی قسم کی بزدلی اور جبن کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے وَلَا تَحْزَنُوْا اور غم نہ کھاؤ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ تم ہی غالب آؤ گے اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگر تم سچے ایماندار ہو اور تمہارا ایمان کامل ہے تو یقیناً غلبہ تمہیں نصیب ہوگا۔ یہ دنیا کا مانا ہوا اصول ہے کہ جو قومیں اپنے نصب العین اور مقصدِ حیات پہ جسے وہ متعین کر چکی ہیں قربانی دینا جانتی ہیں اس کے لیے وہ سارے وسائل داؤ پہ لگانے کا حوصلہ رکھتی ہیں دنیا کی کوئی طاقت انہیں اس مشن میں کامیابی سے ہمکنار ہونے سے نہیں روک سکتی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان کیا تھا تو اپنے خاندان اور قبیلہ کے لوگ مخالف ہو گئے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام تر وسائل جو اس وقت ان کی جان کے سوا کیا ہو سکتے تھے مشن پر لگا دیے۔ ۱۳ سالہ مکی زندگی میں کون سا ظلم ہے جو آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھیوں پر نہیں ڈھایا گیا لیکن آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تمام مظالم کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا تاآنکہ اسلام پورے عرب میں پھیل گیا۔ عرب کے بعد اسلام ایشیا، افریقہ اور یورپ تک قدم بڑھانے لگا۔ حتیٰ کہ آج یہ خطہ جہاں ہم ہیں مسلمانوں کا ملک ہے اور دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں اسلام نہ پہنچا ہو۔

جب تک عربوں نے اسلام کی خدمت کی۔ اللہ تعالےٰ نے یہ خدمت ان سے لی۔ اور جب ان میں سستی پیدا ہوئی تو اللہ تعالےٰ نے عجمیوں سے کام لیا ایرانیوں کو آگے بڑھا دیا۔ اب دیکھئے قرآن پاک کے بعد دنیا کی سب سے زیادہ صحیح کتاب الجامع الصحیح البخاری ہے۔ جس کے مرتب کرنے والے امام بخاریؒ عجمی ہیں۔ ان سے پہلے امام مالکؒ نے مدینہ شریف میں موطا لکھی تھی۔ لیکن زیادہ صحت اور تفصیل کے ساتھ احادیث کو امام بخاریؒ نے جمع کیا۔ اس لیے ان کی کتاب کو پوری امت نے کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب کے طور پر قبول کر لیا بعض محقق علماء بخاری شریف کو موطا امام مالکؒ ہی کی

شرف قرار دیتے ہیں۔

غرضیکہ اسلام وسطی ایشیا کے ان علاقوں میں بھی پہنچا جہاں آج کمیونسٹ دندناتے پھر رہے ہیں۔ امام بخاریؒ بھی اسی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر جب ایرانیوں کا رخ تبدیل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ہلاکو اور چنگیز خاں کی اولاد جو اسلام کا چراغ گل کرنے آئے تھے اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کے خادم بنا دیا بقول اقبالؒ ؎

ہے عیاں یہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

انہوں نے پھر حرمین شریفین کے خادم کی حیثیت سے چھ سو سال تک اسلام کی خدمت کی۔ اور یورپ میں اسلام کو لے جانے کا شرف بھی انہی ترکوں کو حاصل ہوا۔ پھر پہلی جنگ عظیم کے بعد یورپ نے ترکوں اور عربوں کو لڑا کے سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو"۔ انگریزوں کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ جہاں جاؤ بھائی کو بھائی سے اور دوست کو دوست سے، مسلمان کو مسلمان سے اور ہندو کو ہندو سے لڑا دو اور پھر اپنا تسلط قائم رکھو۔ لیکن یہ اصول انہوں نے دوسری اقوام کے لیے رکھا ہوا ہے خود انگریز آپس میں ایثار قربانی اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں ایک دوسرے کے خلاف سازش نہیں کرتے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ انگریز کی چالاکی اور ہوشیاری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہ بدبخت دنیا بھر کو آپس میں لڑاتا ہے لیکن خود انگریز آپس میں نہیں لڑیں گے۔ انگریز کی قوم پرستی کی یہ مثال ہے کہ ہمارے وزیر آباد اور سیالکوٹ کا بنا ہوا چاقو (اس زمانہ میں) دو اڑھائی آنے میں فروخت ہوتا ہے لیکن انگریز یہ سستا چاقو خریدنے کی بجائے چودہ آنے کا ولائتی چاقو خریدتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کا منافع اس کی اپنی قوم کو جاتا ہے۔ انگریز لدھیانے کا بنا ہوا سستا کپڑا پہننے کی بجائے مانچسٹر کا بنا ہوا مہنگا کپڑا پہنتا ہے۔ کیونکہ اس کا منافع خود اس کی قوم کو حاصل ہوتا ہے۔ انگریز اپنی معاشرت زبان اور لباس کی اس قدر عزت کرتا ہے کہ اس کے سوا دوسری زبان، کلچر اور لباس کو حقارت سے دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے انگریز جہاں گیا اس نے اپنا کلچر، زبان اور لباس وہاں پھیلا دیا۔ اور ہماری حالت یہ ہے کہ آج اگرچہ ہم بظاہر آزاد ہو چکے ہیں اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے شہری ہیں حتیٰ کہ دولت مشترکہ سے بھی الگ ہو چکے ہیں لیکن ذہنی طور پر ہماری غلامی کی حالت اس سے بھی زیادہ بدتر ہے جب ہم انگریز کی عملداری میں رہتے تھے۔ ہماری نشست و برخاست خوشی و غمی، معاشرت انگریز کی تقلید میں ہے حتیٰ کہ ہماری اپنی زبان اور لباس اور معاشرت جسے انگریز نفرت سے دیکھتا تھا ہم خود بھی اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آج ہمارا نوجوان عام طور پر تو اپنا لباس پہن لیتا ہے لیکن شادی کے موقع پر کوٹ پتلون ہی پہنتا ہے کیونکہ انگریزی لباس کے بغیر شاید نکاح ہی نہ ہوتا ہو۔ کس قدر بے شرمی کی بات ہے کہ ہم اپنے قومی لباس کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور عزت کے موقع پر دوسروں کا لباس پہنتے ہیں۔

ہمارے مولانا مفتی محمود نے جب انہیں کچھ دنوں کے لیے سرحد کے وزیر اعلیٰ کے طور پر کام کرنے کا موقع ملا تو انہوں نے شراب پر پابندی کے علاوہ اردو کو سرکاری زبان اور شلوار قمیض کو سرکاری و دفتری لباس قرار دے دیا۔ لیکن جونہی ان کا عمل دخل ختم ہوا انگریزی زبان و لباس پھر اسی طرح سرحد کے دفاتر میں آ گئی۔

حتیٰ کہ ہم نے اسلام کے ساتھ اور اپنے عقائد و نظریات کے ساتھ بھی باربیش بابا ہم بازی کا قصہ شروع کر رکھا ہے۔ ہمارے ملک کو اسلام کے نام پر بنے ہوئے ۲۷ سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج اسلام کا نام لینا بھی اس ملک میں جرم ہے۔ چین نے ہم سے بعد چیانگ کائی شیک سے گلوخلاصی

کرائی لیکن آج دنیا اس سے لرز رہی ہے اور چینی ہیں اس نے امریکہ ڈپلومیسی اور اس کی فوج کو شکست دے دی ہے حالانکہ ذہنی اور جسمانی طور پہ وہ ہم سے زیادہ قابل نہیں ہیں ہمارے ایک پٹھان اور ایک پنجابی جوان کے مقابلہ میں تین تین چینی بھی کچھ نہیں لیکن انہیں تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا گیا ہے ان میں قومی جذبہ اور ولولہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ وقت ضائع نہیں کرتے، اپنے اصولوں پہ سودا نہیں کرتے۔ آج جو قوم بھی وقت ضائع کرے گی اور اپنے اصول و نظریات پہ سودے کر سکتی ہے جس کے افراد چند ٹکوں پہ بھائی کا گلا کاٹ سکتا ہے اور قوم کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس قوم کی تباہی کو روکنا کس کے بس کی بات ہے؟

یورپ نے ہمیں آپس میں لڑا دیا۔ مصر مصریوں کا ہے، شام شامیوں کا ہے، عراق عراقیوں کا ہے، پنجاب پنجابیوں کا ہے، بنگال بنگالیوں کا ہے حتیٰ کہ ہم نے اسلامی تعلیمات کو بھلا دیا۔ اور آج اس کے نتیجہ میں ہمارا ملک تقسیم ہو گیا ہے۔ لیکن دوسری طرف، ہمیں آپس میں لڑانے والے یورپ نے اپنی مشترکہ منڈی بنا رکھی ہے اور وہ ایک دوسرے کے مفادات کا مل کر تحفظ کرتے ہیں۔

یہی بات انگریز نے متحدہ ہندوستان میں کی تھی مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان فسادات کرائے گئے، کبھی مسجد کے سامنے باجے پہ لڑائی ہوئی۔ اور کبھی گائے ذبح کرنے پہ جھگڑا ہو گیا اکبر و جہانگیر کے دور میں بھی ایسا نہیں ہوا تھا بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ جو قوم بیوہ عورت کو خاوند کے ساتھ زندہ جلا دیتی ہے اس سنگدل اور ظالم قوم کو مکھی مچھر کے مارنے یا گائے کے ذبح کرنے پہ سیخ پا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن یہ سب کچھ کرایا گیا اور انگریز اس بات پہ کامیاب ہو گیا کہ متحدہ ہندوستان کے باشندوں کو آپس میں لڑا کر خود منصف بن بیٹھا اور پھر جو بندر بانٹ اس نے کی وہ سب کے سامنے ہے۔

ہمیں اس پہ فخر ہے کہ انگریز کے خلاف جدوجہد میں سب سے زیادہ قربانیاں ہمارے اکابر علماء اسلام نے دی ہیں۔ سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان خطرات کو محسوس کرتے ہوئے جماعت کی بنیاد رکھی پھر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریز کی حکومت کو دارالحرب قرار دے کر جہاد کے شرعاً فرض ہونے کا فتویٰ دیا۔ علماء کرام کی اکثریت ان کے ساتھ تھی۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے کہا ہندوستان میں نماز روزہ کی اجازت ہے اور یہ دارالامن ہے اس لیے جہاد کی کیا ضرورت ہے؟ انہی کے بارے میں اقبالؒ نے کہا ہے ؎

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ان کے بعد حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، سید احمد شہیدؒ پھر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور دوسرے اکابر نے بے پناہ قربانیاں دیں۔ متحدہ ہندوستان میں ہندو اکثریت میں تھے لیکن قربانیوں کی مجموعی تعداد میں مسلمان ان سے کہیں آگے ہیں۔

آج پاکستان بن چکا ہے لیکن اسلام کا نام لینے والے گردن زدنی ہیں۔ مولانا مفتی محمود کا کیا قصور ہے کہ ان پہ بار بار قاتلانہ حملے ہو رہے ہیں ابھی سجاول میں انہیں قتل کرنے کی سازش کی گئی۔ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ عوام دشمن پالیسیاں ختم کرو، امن و امان بحال کرو۔ اور جن اقدامات کی وجہ سے مہنگائی عروج کو پہنچ گئی ہے انہیں واپس لو۔

آج ہمارے حکمران جمہوریت کا نام لیتے ہیں لیکن ملک میں کسی کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہیں ہے اور اتنا ظلم ان ممالک میں بھی نہیں جہاں فوجی ڈکٹیٹرشپ ہے۔ جمہوری ممالک کی تو بات ہی الگ ہے۔ برطانیہ میں وزیراعظم کو اس لیے استعفیٰ دینا پڑتا ہے کہ ڈبل روٹی مہنگی ہو گئی ہے۔ ایک وزیر پہ الزام لگے سے ساری کابینہ برخاست ہو جاتی ہے۔ امریکہ میں واٹر گیٹ سکینڈل میں رائے عامہ اور پریس نے نکسن جیسے صدر کو صدارت چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

لیکن یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہاں نعرہ لگایا جاتا ہے کہ اسلام ہمارا مذہب ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے اور سوشلزم ہماری معیشت ہے لیکن عمل کسی پہ نہیں ہوتا۔ جو لوگ اسلام سے اعراض کر رہے ہیں جمہوریت ان کے لیے کیا چیز ہے۔

اور پھر بات یہ ہے یہ کہنا کون سا اسلام کے مطابق ہے کہ اسلام ہمارا مذہب ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے اور سوشلزم ہماری معیشت ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ نماز تو خدا کی پڑھوں گا لیکن عدالت میں قانون مہاتما بدھ کا یا کسی اور کا مانوں گا۔ کیا ایسا شخص مسلمان بھی رہ سکتا ہے؟

ہماری دعوت یہ ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اسلام صرف نماز روزے کا نام نہیں بلکہ قانون، معیشت، معاشرت، اخلاق اور سیاست بھی اسلام میں موجود ہے اور ہم مسلمان کے طور پہ اسلام کے ان تمام پہلوؤں کو عملاً قبول کرنے کے پابند ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو ہدایت نصیب فرمائیں اور ہمیں ملک میں اسلام پر صحیح طور پہ عمل کرنے کی توفیق دیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

بقیہ: شذرہ

مرزا صاحب کا مکان جلایا اور بجائے اس جلے ہوئے مکان کا معاوضہ ادا کرنے اور مجرموں کو سزا دینے کے الٹا مرزا صاحب کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں شیعہ سنی کا ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو کر اجتماعی قوت سے مرزائی گروہ کی مذہبی حیثیت کا آئینی فیصلہ کرانا اس ملک کے مادر پدر آزاد دانشوروں کو لیڈروں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ انہیں ڈر ہے کہ اس طرح اجتماعی جدوجہد کے نتیجے میں کل کلاں اور بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ اس لیے وہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کا روایتی اصول اپنا کر کچھ نہ کچھ کرنے کے موڈ میں ہیں اور پچھلے دنوں

کراچی، چکوال اور دوسرے مقامات پر شیعہ سنی تصادم کا یقیناً پس منظر بھی جذبہ نامعقول تھا۔

ضرورت تھی کہ اس قسم کے واقعات کا سدِ باب ہوتا اور فریقین میں سے فساد کے ذمہ دار عناصر کی بیخ کنی کی جاتی لیکن افسوس یہ ہے کہ قانون و امن کے محافظ لاقانونیت اور بدامنی پہ ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور اس طرح کی حرکات کر رہے ہیں جس کا نتیجہ باہمی سر پھٹول کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

اس لیے جہاں انتظامیہ کو ناخن تدبیر سے کام لینے کی ضرورت ہے وہاں مجلس عمل کی قیادت کا بھی فرض ہے کہ وہ اتحاد کی فضا برقرار رکھنے کے لیے مؤثر ذرائع اختیار کرے۔

ہمارا پُرزور مطالبہ ہے کہ کراچی چکوال اور دیگر مقامات پر فساد کے ذمہ دار عناصر کا سختی سے محاسبہ کیا جائے اور مظلوم عناصر کی دادرسی کر کے انتظامیہ کے ان عناصر کے خلاف شدید کارروائی کی جائے جو حق و انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔

بقیہ: شاہ ولی اللہ کا خطاب

کیا حال ہے ان بڑے بڑے شہروں کا جن میں چھ سو سال سے کسی پر حدِ شرعی جاری نہیں ہوئی ہے۔ جب کوئی کمزور ہتھے چڑھ جاتا ہے تو اسے پکڑ کر باندھ لیتے ہو لیکن کوئی طاقت ور ہو تو اسے چھوڑ دیتے ہو۔ تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پہ صَرف ہو رہی ہیں کہ طرح طرح کے لذیذ کھانے پکواتے رہو اور نرم و گداز قسم کی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو۔ اچھے کپڑوں اور اونچے مکانوں کے سوا کسی چیز کی طرف تمہاری توجہ منعطف ہی نہیں ہوتی۔ کیا تم نے اپنے سر کبھی خدا کے سامنے جھکائے ؟ خدا کا نام تو تمہارے نزدیک صرف تذکروں اور قصے کہانیوں میں استعمال کرنے کے لیے ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لفظ خدا سے تم زمانے کا انقلاب مراد لینے لگے ہو۔ کیونکہ تم اکثر کہتے ہو خدا اس پر قادر ہے کہ فلاں کام کر دے۔

مجلسِ ذکر

انسانی جان کا ضائع کرنا غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

مرتب: محمد سعید الرحمٰن علوی

بعد از خطبہ مسنونہ :-

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝

یعنی جو قتل کرے ایک مومن کو جان بوجھ کر۔ اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ اس میں رہے گا اور اللہ کا غضب ولعنت اس پر مستزاد ہوگا۔ نیز اس کے لیے عذاب عظیم تیار ہوگا۔

یہ آیت کریمہ پانچویں پارہ سورۂ نساء کی ہے۔ اور قتل خطا کے احکامات بیان فرمانے کے بعد متصلاً اسے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

قتل خطا میں تو کفارہ کا تذکرہ ہے جس کے ذریعہ آدمی اس قتل کے ردِ عمل اور وبال سے بچ جاتا ہے لیکن جان بوجھ کر انسانی جانوں سے کھیلنے والے عناصر کے لیے اس آیت میں جو شدید لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے وہ ان لوگوں کے لیے ایک تازیانۂ عبرت ہے جن کے نزدیک انسانی جانوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور جو ہر وقت اس ظالمانہ کھیل میں مشغول رہتے ہیں بالخصوص وہ افراد اور عناصر جن کا کام قانون کی عملداری، آئین کا احترام و تقدس برقرار رکھنا، ظالم کو سزا دینا اور مظلوم کی دادرسی کرنا ہے وہ سوچیں کہ حضرت حق کیا ارشاد فرما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن عزیز نے ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ:

”ایک انسانی جان کا ضائع کرنا پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔“ (المائدہ)

گویا اللہ کے نزدیک ایک انسان بہ حیثیت انسان پوری انسانیت کا نمائندہ ہے اور اس کا قتل پوری انسانیت کا قتل۔ کیونکہ تمام انسانی برادری ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہیں۔ ان کا یہ مقدس خونی رشتہ ان پر ایک دوسرے کے حقوق لازم ٹھہراتا ہے ایسے میں یہ شنیع فعل گویا اپنی نسل کی بربادی اور ضیاع کا باعث ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قتل کا بدلہ قتل قرار دیا۔ الّا یہ کہ مقتول کے ورثا معاف فرما دیں۔ لیکن اگر مقتول کے ورثاء معاف نہیں کرتے تو سوائے قتل چارہ کار نہیں اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں قانون کی محافظ طاقتیں بدترین مجرم ہیں۔

آج کچھ لوگ قتل انسانی کے ردِ عمل کے طور پر قتل کو ظالمانہ سزا کہتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس میں اجتماعی زندگی کا راز مضمر فرماتے ہیں ولکم فی القصاص حیاۃ۔ کیونکہ جب قوت نافذہ اپنی خداداد قوت کو کام میں لا کر انسانی جان کے اتلاف کے ذمہ دار عناصر کو تختہ دار پہ لٹکا دے گی تو آئندہ چل کر کسی کو یہ جرأت نہ ہوگی کہ وہ ایسا گھناؤنا اقدام کر سکے۔

اور تاریخ و تجربہ شاہد ہے کہ اس سزا سمیت اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزائیں جب بھی نافذ کی گئیں وہاں معاشرہ امن و اطمینان کا گہوارہ بن گیا اور جہاں ان سزاؤں سے گریز کیا گیا وہاں کا معاشرہ راحت و سکون کی دولت سرمدی سے محروم ہوگیا۔ جیسا کہ ہمارا ملک ہے۔ ہر چند کہ ہم نے اس کو اسلامی نظام و اقدار کی خاطر حاصل کیا تھا اور

اسی نعرے پہ قوم نے اتنی بڑی قربانی دی تھی لیکن لیکن یہاں ہمیشہ اس نظامِ حیات کے سنہری اصولوں کو پامال کر کے ان کا مذاق اڑایا گیا جن میں قصاص بھی شامل ہے حتیٰ کہ اب تو کھلے بندوں اس کو ظالمانہ سزا کہا جاتا ہے ایسے میں انسانی جانوں کا تحفظ کیونکر ممکن ہوگا۔

جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے آخری حج کے لازوال خطبہ میں انسانی خون، عزت اور مال کے باہمی احترام کی سختی سے تلقین فرمائی۔ نیز فرمایا کہ میرے بعد کفر و ضلالت کی روش نہ اختیار کرنا۔ کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ لیکن آج آپ کی عقیدت کا دم بھرنے والے اور آپ کو اپنا نبی کہنے والے عمل دنیا میں خطرناک قسم کی گریز و فرار کی پالیسی پہ عمل پیرا ہیں۔ حتیٰ کہ وہ افراد جن کا کام قانونی طاقت سے انسانی جان و آبرو اور مال کا تحفظ کرنا ہے وہ اپنی مکروہ اغراض کے لیے خود ہی قتل انسانی کے بھیانک جرم میں ملوث ہیں اور اس پہ انہیں ذرا بھی شرم و حیا اور ندامت محسوس نہیں ہوتی۔

ہمارے یہاں ایک عرصہ سے یہ کھیل کھیلا جا رہا ہے اور نئے پاکستان میں تو اس قسم کی روایات اتنی بار دہرائی گئیں کہ الاماں۔

مولانا شمس الدین، ڈاکٹر نذیر، خواجہ رفیق، جاوید نذیر، عبدالصمد اچکزئی اور نواب محمد احمد وغیرہ کے قتل کا معاملہ اب ڈھکا چھپا نہیں رہا۔ ان ہاتھوں کو ہر ایک پہچانتا ہے جنہوں نے ان رہنماؤں اور کارکنوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ ملک کا ہر فرد ان سازشی ذہنوں سے خبردار ہے جنہوں نے یہ سازشیں تیار کیں۔ عوام ان بھیڑیوں کی حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں جو انسانی لباس میں درندگی کا کھیل کھیل کر ھل من مزید کی صدائے جہنمی لگا رہے ہیں۔ انہی طاقتوں نے ابھی حال ہی میں قائد جمعیۃ حضرت العلامہ مفتی محمود کو اپنے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھ کر ہٹانا چاہا۔ کیونکہ مفتی صاحب بجا طور پہ ان کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹک رہے ہیں۔

قصہ مختصر آوازِ حق اور ظلم سے روکتا ہے اور ظاہر ہے کہ تشدد و فسطائیت کی پیداوار حکمران ان باتوں کو پسند نہیں کرتے۔ ان کی رات کی نیندیں اور دن کا آرام اس مردِ درویش کی وجہ سے غارت ہو چکا ہے۔

لیکن ہم یہ کہنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ موت و حیات کا مالک اللہ ہے۔ زندگی کے لمحات چھیننا یا ان میں اضافہ کسی کے بس میں نہیں۔ جو لمحات مقدر ہیں وہ پورے ہو کر رہیں گے اور جب پورے ہوگئے تو اضافہ محال۔

پھر جو لوگ یہ حرکات کرتے ہیں وہ مظلوموں کے حق میں یقیناً بہتر لیکن ان کے اپنے حق میں دائمی لعنت و پھٹکار کا باعث بن جاتی ہیں۔

جو آیت کریمہ پڑھی وہ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس گھناؤنے جرم کے مرتکب افراد

"دائمی طور پہ جہنم کا عذاب چکھتے رہیں گے اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اس پہ مستزاد ہوگی اور عذاب عظیم کی اس کے علاوہ نہ معلوم کتنی صورتیں ہوں گی جن سے ان لوگوں کو پالا پڑے گا"

یعنی اس قسم کے افراد قتل خطا میں بیان فرمائے گئے کفارے ہزار بار ادا کر کے بھی اس لعنت سے بچ نہیں سکتے۔

یاد رہے کہ جمہور علماء دائمی جہنم کے معاملہ میں فرماتے ہیں کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو انسانی جان کا قتل جائز و حلال سمجھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات کا پابند بنائے اور انسانیت کے حقوق پورا کرنے کی توفیق بخشے۔ ہم اس بابرکت محفل میں حضرت قائد جمعیۃ کے بال بال بچ جانے پہ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہیں ان کے زخمی ساتھیوں کی صحت و سلامتی کے لیے دعا گو ہیں۔

اور مزید دعا کرتے ہیں کہ رب العزت ظالموں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین!



واہ کینٹ کے درسِ قرآن وحدیث کی کارگزاری پر

دسویں سالانہ رپورٹ

۲۷ اپریل ۷۵ء بروز اتوار واہ کینٹ میں حلقۂ درسِ قرآن وحدیث کی دسویں سالگرہ منعقد ہوئی حضرت اقدس مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم نے اس کی سرپرستی فرمائی۔ حضرت اقدس کی تقریر کا پورا متن بعد میں شائع کیا جائے گا۔ ذیل میں سالانہ رپورٹ درج ہے جو احقر نے پڑھ کر سنائی تھی۔

(محمد عثمان غنی)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ: اَمَّا بَعْدُ!

تمہید قطب الاقطاب، شیخ التفسیر، امام الاولیاءؒ رأس الاتقیاء حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نور اللہ مرقدہٗ و برّد اللہ مضجعہٗ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منت ازو شناس کہ بخدمت گزاشتت

ہم جیسے ناتوانوں اور بے کسوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک اور اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مقدس کی خدمت لے لی۔ یہ ہمارا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ یہ اس ذاتِ باری تعالیٰ کی عطا ہے۔ ہم ہر سال زبانِ حال وقال سے کلماتِ تشکر ادا کرتے رہتے ہیں۔ ہماری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک برگزیدہ خلیفہ حضرت الحاج مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نے حسبۃً للہ یہ درس نومبر ۱۹۶۴ء میں وہاں شروع فرمایا اور آج تک الحمد للہ جاری ہے بلکہ اس مجلس کی آب و تاب میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس نورانی محفل کی اصل رونق کا سبب یہ ہے کہ اسے برکات و سعادات کے منبع روحانی جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی حاصل ہے جو ہر سال اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ہماری درخواست پر سالانہ تقریب میں رونق افروز ہو جاتے ہیں اور اپنی دعاؤں سے نوازتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان دونو بزرگوں کو صحت و تندرستی کے ساتھ تا دیر سلامت رکھیں اور ان کے فیوضات سے ہمیں بہرۂ وافر حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

درسِ قرآن مجید گزشتہ سالگرہ ماہ مئی ۱۹۷۴ء میں منائی گئی تھی اس وقت سورۂ لقمان شروع کی گئی تھی۔ اس سورۂ مبارکہ پر ماہ جولائی ۷۴ء تک درس جاری رہا۔ اگست ۷۴ء میں سورۂ سجدہ شروع ہوئی جو ماہ اکتوبر ۷۴ء تک جاری رہی۔ نومبر ۷۴ء سے جنوری ۱۹۷۵ء تک سورۂ احزاب پر درس ہوا۔ فروری ۷۵ء میں سورۂ سبا شروع ہوئی جس پر ماہِ حال تک درس جاری ہے۔

درسِ حدیث گزشتہ سال میں نو احادیثِ نبویہ پر درس ہوا۔ ایک حدیث تبرکاً پیشِ خدمت ہے:

عَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَیْرَ اَعْمَالِکُمُ الصَّلٰوۃُ وَلَا یُحَافِظُ عَلَی الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام پر پختہ رہو

اور تمہاری یہ طاقت نہیں ہے کہ تم اسلام کے سارے احکام پورے پورے کر سکو۔ اور جان رکھو تمہارے سب عملوں سے بہتر عمل نماز ہے۔ اور وضو کی حفاظت وہی کرتا ہے جو مومن ہو۔

مجلسِ ذکر

مجلس ذکر جو نومبر ۱۹۷۳ء میں حضرت اقدس مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم کی اجازت سے محترم المقام صوفی محمد یونس صاحب نے شروع فرمائی تھی الحمدللہ باقاعدہ جاری ہے۔ بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر ماہِ ستمبر اور اکتوبر ۱۹۷۴ء میں دو مجالس منعقد نہ ہو سکیں۔ یہ مجلس خاندانِ عالیہ قادریہ راشدیہ کے طریق پہ ہر ماہ کے آخری اتوار سے پہلے آنے والے جمعہ کو نماز مغرب کے بعد ہوتی ہے اور ذکر کے بعد محترم صوفی صاحب موصوف تزکیۂ باطن اور اصلاح حال کے لیے چند جملے ارشاد فرما دیتے ہیں۔

حضرت پسروری کی رحلت

گزشتہ سال کے دوران ہمارے ایک بلند پایہ بزرگ حضرت مولانا مفتی بشیر احمد صاحب پسروری رحلت فرما گئے۔ اللہ تعالےٰ حضرت مرحوم کو اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ وہ اسلام کے نڈر سپاہی اور حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کے اجلّہ خلفاء میں سے تھے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

منزل انوار القرآن بستی کاریگر

آخر میں آپ حضرات کو یہ بتانا ضروری ہے کہ ہمارے محترم بھائی جناب حاجی خوشی محمد صاحب فیکٹری کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اس بنگلہ کو خالی کر رہے ہیں۔ اس لیے یہ درس اس مقام کا آخری درس ہے۔ اگلے ماہ سے یہ درس اپنی مستقل عمارت منزلِ انوار القرآن لالہ رُخ المعروف بہ بستی کاریگر میں منتقل ہو جائے گا۔ یہ ایک نامکمل عمارت ہے مگر مشورہ سے یہی طے پایا ہے کہ اب یہ درس وہاں پہ ہوا کریگا باہر سے تشریف لانے والے حضرات کو جگہ تلاش کرنے میں قدرے دقت ہو گی تاہم اطلاعاً عرض ہے کہ حسن ابدال کی طرف سے آنے والے حضرات بستی کے پہلے سٹاپ پر اتریں اور پنڈی کی طرف سے آنے والے حضرات بستی کے آخری سٹاپ پہ اتریں وہاں سے یہ جگہ قریب ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

مالی اعانت کی درخواست

منزل انوار القرآن بستی کاریگر واہ کینٹ کی عمارت کے مراحل سرمایہ کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ یہ جگہ سردست ایک چٹیل میدان ہی سا ہے لیکن عمارت بننے کے بعد یہاں سے قرآن و حدیث کے علوم کے چشمے جاری ہوں گے۔ حضرت اقدس مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم نے ۱۹۶۸ء میں اس کا سنگ بنیاد رکھا تھا اور ۲۷ اپریل کو درس کے بعد اس جگہ کا معائنہ فرمایا اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالےٰ انسانوں کا محتاج نہ بنائے اور اس عمارت کی تعمیر کے لیے غیب سے امداد فرمائے۔

اہلِ خیر اگر اس سلسلہ میں مالی تعاون فرمانا چاہیں تو مندرجہ ذیل پتہ پہ اپنے عطیات ارسال فرما سکتے ہیں:

(قاری محمد ارشد الحسینی جامعہ مدنیہ کیمبل پور)

حاصل مطالعہ

ارسال کردہ: محمد سعید اسعد ملتان

صاحبزادے کی وفات سے عبرت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے فرزند عبدالملک سے زیادہ محبت کرتے تھے وہ بیمار ہوئے اور جب مرض نازک صورت اختیار کر گیا تو آپ کو اطلاع دی گئی آپ تشریف لائے اور ان سے دریافت کیا۔ بیٹا! کیسے ہو؟ عرض کیا۔ اچھا ہوں۔ مگر اپنی ٹھیک حالت کا اظہار انہوں نے نہیں کیا تاکہ آپ پریشان نہ ہوں۔ فرمایا۔ بیٹا! اپنی حالت بتاؤ؟ تم جانتے ہی ہو کہ میں تمہارے معاملہ میں راضی برضا ہوں اور فیصلہ تقدیر میری محبوب ترین چیز ہے۔ عرض کیا۔ ابا جی! سچی بات یہ ہے کہ میں جا رہا ہوں۔

مزاج پرسی فرما کر حضرت عمرؒ اپنی نمازگاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ نماز میں مشغول تھے کہ اتنے میں عبدالملک کا انتقال ہو گیا۔ مزاحمؒ نے آپ کو اطلاع دی تو آپ غش کھا کر گر پڑے۔ عبدالملک کے کفن دفن سے فراغت ہوئی تو مزاحمؒ نے کہا۔ حضرت عمرؒ نے مزاحم کو تاکید کر رکھی تھی کہ وہ آپ سے کوئی خلاف معمول بات دیکھیں تو آپ کو ٹوک دیا کریں۔ اس لیے انہوں نے عرض کرنے کی جرأت کی کہ امیرالمومنین! آج میں نے آپ سے ایک عجیب بات سرزد ہوتے دیکھی وہ یہ ہے کہ آپ عبدالملک کے پاس آئے اور ان کی مزاج پرسی کی تو انہوں نے اپنی حالت کو چھپانا چاہا۔ مگر آپ نے اصرار کیا کہ وہ اپنی حالت آپ کو ٹھیک ٹھیک بتائیں کیونکہ ان کے حق میں تقدیر کا جو فیصلہ ہوگا اس پر جان و دل سے راضی رہیں گے۔ انہوں نے آپ کو بتایا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں پھر جب ان کا انتقال ہوا اور میں نے آپ کو اس کی اطلاع کی تو آپ غش کھا کر گر گئے۔ اگر آپ تقدیری فیصلے پر راضی تھے تو یہ غشی کیوں ہوئی؟

آپ نے فرمایا۔ مزاحمؒ! بات تو یہی تھی کہ میں تقدیر کے فیصلے پر راضی ہوں۔ مگر ہوا یہ کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ موت کا فرشتہ میرے گھر آکر میرے لخت جگر کو لے گیا ہے اس سے مجھ پر خوف کی حالت طاری ہوئی۔ اور اس کی وجہ سے وہ حالت پیش آئی جو تم نے مشاہدہ کی۔ حاصل یہ ہے کہ یہ غم کی نہیں بلکہ خوف کی غشی تھی۔

عبدیت یا خودداری؟

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کے مطاف میں دیکھا کہ وہ جب لبیک کہتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ ہم کو مت پکارو ہم تمہارا جواب نہیں دینا چاہتے۔ تم ہمارے گھر میں کیوں آئے ہو۔ ع۔ بروں در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

جب ہم تم سے بات نہیں کرنا چاہتے تو کیوں آتے ہو۔ حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ جو بات میں سن رہا ہوں تو بھی سنتا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ یہ تو میرے ساتھ کئی سال سے ہو رہا ہے جب پکارتا ہوں یہی جواب دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے کہا پھر تم کیوں آتے ہو۔ جب صاحب خانہ ناراض ہے تو آنے سے کیا

فائدہ؟ اس شخص نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا ابراہیمؒ! سچ کہتے ہو۔ میری خودداری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب وہ بات نہیں کرنا چاہتے تو میں آنا چھوڑ دوں۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ ان کو چھوڑ کر جاؤں کہاں؟ میرا تو ان کے علاوہ کوئی ٹھکانہ نہیں۔ ان کو تو پکارنے والے بہت مل جائیں گے لیکن میرا ان کے سوا کوئی سہارا نہیں۔

لباسِ محبوبیت اور لباسِ آشنائی

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے ایک محلہ سے گزر رہے راستے میں شدید پیاس لگی۔ آپ نے ایک دروازہ پر دستک دی اور پانی طلب فرمایا۔ ایک لڑکی اندر سے نکلی اور پانی کا گلاس ہمراہ لائی۔ آپ نے اس سے پانی لے کر پی لیا۔ آپ کی نظر اس پانی لانے والی لڑکی کے چہرے پر پڑی دل اس کے جمال پر فریفتہ ہو گیا۔ آپ وہیں بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ صاحب خانہ آیا۔ آپ نے فرمایا۔ میاں! میرا دل ایک گلاس پانی میں سخت مقید ہو گیا ہے۔ مجھے تیرے گھر والوں نے ایک گلاس پانی دے کر میرا دل لے لیا۔ صاحب خانہ نے عرض کی حضور! میری لڑکی ہے میں اسے آپ کے عقد میں پیش کرتا ہوں۔ حضرت مرتعش گھر کے اندر تشریف لائے اور عقد فرمایا۔ صاحبِ خانہ بغداد کے متمول گھرانے میں سے تھا اس نے حضرت مرتعشؒ کو حمام میں بھیج کر پوشاک مکلف سے آراستہ کیا اور وہ خرقۂ فقیر اتار ڈالا جو آپ کے زیب تن تھا۔ شب ہوئی تو حضرت مرتعشؒ نماز میں مشغول ہو گئے اور خیال فرمایا کہ اپنے روزانہ کے اوراد سے فارغ ہو کر دلہن کی طرف ملتفت ہوں گا کہ یک لخت آپ نے باآواز بلند فرمایا ہمارا خرقہ جلدی لاؤ۔ یہ سن کر صاحبِ خانہ نے متعجب ہو کر عرض کیا کہ حضور! کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا۔ مجھے خلوت راز سے ابھی آواز آئی۔ کہ مرتعشؒ! جو پہلی نظر تو نے ہمارے سوا غیر پر ڈالی تھی۔ اس کی سزا میں ہم نے تجھ سے لباس محبوبیت اتار لیا ہے اب اگر دوسری نظر پھر ڈالی تو ہم لباسِ آشنائی بھی سلب کر لیں گے، گویا وہ لباس جس کے پہننے سے رضائے الٰہی مقصود ہو اور محبوبانِ الٰہی کے تتبع میں اسے پہننا ہو تو اپنے رب سے علاقہ رکھنے کے لیے ہمیشہ اس پر راضی رہنا ضروری ہے۔ اور یہ استقامت ہی مبارک و مسعود ہے۔

وعظ کی تاثیر

حضرت جنید بغدادیؒ ایک دن مسجد میں تھے۔ ایک شخص آیا اور کہا کہ حضرت! آپ کا وعظ شہر ہی میں کام دیتا ہے یا جنگل میں بھی کچھ تاثیر بخشتا ہے۔؟ آپ نے حال پوچھا۔ اس نے عرض کی کہ چند آدمی فلاں جگہ پہ جنگل کے اندر مصروف رقص و سرود اور دورِ شراب سے مخمور ہیں۔ آپ نے اسی وقت منہ لپیٹ کر جنگل کی راہ لی۔ جب آپ قریب پہنچے تو وہ لوگ بھاگنے لگے۔ فرمایا۔ بھاگو مت! میں بھی تمہارا ہم مشرب ہوں۔ ہمارے لیے بھی لاؤ شہر میں تو پی نہیں سکتے پوشیدہ طور پہ یہاں آئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا۔ افسوس ہے کہ اس وقت شراب نہیں رہی۔ فرمائیں تو شہر سے منگوا دی جائے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کیا تمہیں ایسی بات نہیں آتی کہ شراب خود بخود آ جایا کرے۔ پھر شراب کا مزا دیکھو۔

وہ سب مشتاق ہوئے کہ یہ کمال تو ضرور بتا دیجئے فرمایا اوّل غسل کرو۔ پھر کپڑے بدل کر میرے پاس آ جاؤ۔

سب نے غسل کیا اور پاک و صاف ہو کر کپڑے تبدیل کر کے حاضر ہو گئے۔ تب فرمایا۔ دو رکعت نماز پڑھو۔ جب وہ نماز میں مصروف ہوئے تو آپ نے اللہ تعالے سے التجا کی کہ خدایا! میرا تو اتنا ہی کام تھا کہ تیرے حضور کھڑا کر دیا۔ اب تجھے اختیار ہے خواہ ان کو گمراہ کر خواہ ہدایت بخش۔

چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور وہ سب ہدایتِ کامل سے مستفیض ہوئے۔

علماء کا تمسخر کیوں؟

محمد عارف قریشی۔ بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی ۔ بھکر

ہمارے ہاں ایک عرصہ سے داڑھی والوں کو برا کہنے کا فیشن چل نکلا ہے جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس وبا میں بڑی شدت سے مبتلا ہے۔ لفظ مولوی کے لیے ان کا دل نفرت کے غبار سے معمور ہے۔ جہاں کہیں مولوی کا ذکر آئے ہم اس کی شان میں جو کلمات کہتے ہیں وہ ضبطِ تحریر میں لانے کے قابل نہیں اور اب کیفیت یہ ہے کہ مولوی کا نام ذہن میں آتے ہی ایک ایسے داڑھی والے شخص کا تصور ابھرتا ہے جو دنیا بھر کی تمام برائیوں کا مجسمہ ہو ایسا کیوں ہوا؟

اس سوال کا جواب پانے کے لیے ہمیں چند بنیادی حقائق سامنے رکھنے پڑیں گے۔ سب سے پہلے تو میں اس تصور کی نفی کروں گا کہ ہر داڑھی والا شخص مولوی ہوتا ہے۔ جب کہ مولوی کہلانے کا حقدار صرف وہی ہے جو مذہب کے بنیادی عقاید اور اس کے اصول و ضوابط جاننے کے بعد انہیں دوسروں تک پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہو۔ جو آدمی ان صفات کا حامل نہیں وہ چاہے کتنی لمبی داڑھی رکھ لے مولوی نہیں کہلا سکتا۔

پھر ہمارے ہاں یہ تصور بھی عام ہے کہ جس شخص نے داڑھی رکھ لی ہے اسے گناہوں کے نزدیک بھی نہیں بھٹکنا چاہیے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں! شرع کے اصول و ضوابط کی پابندی جس طرح مولوی اور داڑھی والے پر لازم ہوتی ہے اسی طرح دوسروں پر بھی ضروری ہے اسی طرح عام لوگوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ خلافِ مذہب باتوں سے بچیں۔ ان تصورات کی نفی کرنے کے بعد میں ان وجوہات کی طرف آتا ہوں جو اس وبا کے پھیلنے کا باعث بنیں۔

(۱) اصل میں اس وبا کی ابتدا تو غیر مسلم اقوام خصوصاً یہود و نصاریٰ کی طرف سے ہوئی۔ انھوں نے ایک تحریک کے ذریعہ آہستہ آہستہ مسلمانوں کے دل میں ان کے رہنماؤں کے خلاف نفرت بھر دی کیونکہ مسلمانوں کو اپنے دین سے برگشتہ کرنے کا یہ ایک عمدہ طریقہ تھا کہ ان کے مذہبی رہنماؤں کو اُن کی نظروں سے گرا دیا جائے، اُن کو بدنام کیا جائے، اُن کی بدنامی عام لوگوں کو ان سے متنفر کر دے گی جس کا لازمی نتیجہ اُن کی مذہب سے دُوری ہوگا۔

(۲) جن دنوں علماء لوگوں کی نظروں میں قابلِ احترام تھے، اُن دنوں کچھ لوگ ان میں ایسے شامل ہو گئے جو حقیقت میں اس حیثیت کے حامل نہ تھے لیکن انھوں نے ظاہری وضع قطع علماء کی سی بنالی۔ ایسے لوگ یہود و نصاریٰ کی طرف سے دانستہ شامل کیے گئے۔ ان لوگوں کا ایک مقصد تو علماء کو بدنام کرنا تھا اور دوسرا ان لوگوں کے کچھ ذاتی مفادات بھی تھے۔ یہ لوگ دانستہ ایسی حرکات کے مرتکب ہونے لگے جو علماء کے لیے باعثِ تضحیک تھیں چونکہ عام لوگوں کی نظر میں ان لوگوں میں اور عام لوگوں میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اس لیے وہ ایسے تمام لوگوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے لگے۔

(۳) پرانے زمانے میں جو لوگ علماء کے فرائض سنبھالتے وہ اپنی معاشی ذمہ داریاں خود سنبھالنے کے اہل ہوتے یا ان کی معاشی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری حکومتِ وقت پر عاید ہوتی تھی۔ اس طرح جو لوگ یہ فرائض انجام دیتے وہ معاشی پریشانیوں سے آزاد ہوتے وہ اپنی تمام تر توجہ اُسی کام پر مبذول کر دیتے جو اُن کے ذمہ تھا۔ آہستہ آہستہ حکومت ان ذمہ داریوں سے دامن چھڑا گئی۔ اب ان لوگوں کے اخراجات کی ذمہ داری مخیّر لوگ اٹھانے لگے۔ جب علماء کے اخراجات پورے کرنا عام لوگوں کی ذمہ داری قرار پایا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے علماء کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ جو "علماء" اس بلیک میلنگ کا شکار ہوئے انھوں نے اپنی شخصیت کو مسخ کرنے کے علاوہ دین کے وقار کو بھی مجروح کیا۔

(۴) ابتداء میں علمِ دین کے حصول کے لیے جو مدرسے قائم تھے اُن کے اخراجات پورے کرنے کی ذمہ دار حکومت تھی یا مخیّر لوگ! گویا اسلامی مدرسے ایک لحاظ سے اپنے اخراجات میں خود کفیل تھے۔ لیکن جوں جوں لوگوں میں مذہب کے لیے قربانی دینے کا جذبہ کمزور ہوتا گیا وہ اپنی اس ذمہ داری سے ہاتھ کھینچنے لگے۔ اُدھر حکومت کی کرسیوں پر بے دین افراد کے متمکن ہوتے ہی حکومت نے بھی اس سے اپنا دامن چھڑا لیا اور مدرسے بے یار و مددگار رہ گئے۔ پھر یوں ہوا کہ مدرسوں کے منتظمین نے ان اخراجات کی تکمیل کے لیے چندہ جمع کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔ اس صورت میں ہوتا یہ ہے کہ اکثر اوقات یہ اخراجات پورے نہیں ہوتے۔ طالب علموں کی گذر اوقات بڑی مشکل سے ہوتی ہے اور بڑی تنگی اور عسرت کا شکار رہتے ہیں۔ اس لیے اکثر ان حالات سے گھبرا کر اپنی تعلیم مکمل کئے بغیر چلے جاتے ہیں اور باہر جا کر جو کچھ انہوں نے پڑھا ہوتا ہے اسی کو اپنے معاش کو بنیاد بنا لیتے ہیں۔ چونکہ ان کا علم مکمل نہیں ہوتا اس لیے وہ دین کے باریک مسائل کے متعلق کئی غلط فہمیاں پھیلانے کا باعث بنتے ہیں جس کا نتیجہ بالآخر علماء کے حق میں بہت

بُرا ہوتا ہے۔

(۵) مدرسوں کا ماحول طالب علموں کے کردار پر بڑا اثر انداز ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے پچھلی دو صدیوں سے مدرسوں کا ماحول کچھ قابلِ تعریف نہیں رہا۔ اس ماحول کے پروردہ جب مدرسوں سے فارغ ہو کر عملی زندگی میں جاتے ہیں۔ تو ان میں مذہبی رہنماؤں والی کوئی بات نہیں ہوتی۔ پھر عملی میں جاکر ان میں سے کچھ لوگ مسجدوں میں بطور امام تعینات ہوتے ہیں اور کچھ لوگ مدرسوں میں مدرس کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ یہاں اور تکالیف کے ساتھ ساتھ انہیں معاشی مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کے ذاتی اخراجات کی مکمل فراہمی کی کوئی ضمانت نہیں دی جاتی۔ کسی بھی انسان کے لیے مستقل طور پر تنگ دست رہنا بہت بڑا امتحان ہے۔

(۶) جو علماء تبلیغ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرتے ہیں۔ ان کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہیں ہوتا۔ جس کا جتنا جی چاہتا ہے ان کی تقریر کا معاوضہ دے دیتا ہے۔ اگرچہ یہ اپنی جگہ صحیح ہے کہ شرعاً اس کام کے لیے وہ کسی معاوضہ کا حقدار نہیں۔ لیکن آج کل کے دور میں انسان کی ضروریات بتدریج بڑھ رہی ہیں اور آمدنیاں ناکافی ہوتی جا رہی ہیں۔ سو اس میدان میں نکلنے والے علماء کو معاوضے کے طور پر ضرور کچھ نہ کچھ لینا پڑتا ہے لیکن یہ معاوضہ انتہائی ناکافی ہوتا ہے اور وہ لوگ ہمیشہ تنگ دستی کا شکار رہتے ہیں۔

یہ وہ محرکات تھے جو علماء کا وقار گھٹانے کا باعث بنے ہیں اور اب میں اپنی صوابدید پر اس مسئلہ کے چند حل پیش کرتا ہوں۔

۱:- مسلمان بچوں کے لیے دینی تعلیم لازمی قرار دے دی جائے۔ سکولوں اور کالجوں کے علاوہ وہ مدرسوں میں جا کر کچھ دیر علماء، مدرسین اور خطیبوں سے مذہبی تعلیم بھی حاصل کریں۔

۲:- مسجدوں میں جن لوگوں کو اماموں یا خطیبوں کی حیثیت سے متعین کیا جائے ان کے متعلق یہ تحقیق کر لی جائے کہ وہ تعلیم مکمل کر کے نکلے ہیں یا درمیان سے چھوڑ آئے ہیں۔ اس سے تعلیم نامکمل چھوڑ کر آنے والوں کی حوصلہ شکنی ہوگی اور وہ ہر صورت میں اپنا علم مکمل کر کے مدرسوں سے باہر آئیں گے اور اس طرح وہ اسلامی عقاید و عبادات کے متعلق بے علمی کا ثبوت نہیں دیں گے۔

۳:- خطیبوں، اماموں اور علماء کے معاشی تحفظ کی مکمل ضمانت دی جائے تاکہ وہ اس طرف سے مطمئن ہو کر اپنا سارا وقت دین کی تبلیغ پر صرف کر سکیں۔

۴:- دینی مدرسوں کے اخراجات کی فراہمی کا مکمل اور باقاعدہ بندوبست کیا جائے تاکہ طالبانِ دین تنگ دستی کا شکار نہ رہیں۔ مدرسوں کا انتظام اہلِ علم اور دیندار اشخاص کے سپرد کیا جائے اور مدرسین ایسے اشخاص کو متعین کیا جائے جن کا کردار بے داغ ہو۔

۵:- مخیر حضرات بغیر کسی لگی لپٹی کے اور جذبۂ خود نمائی کا سہارا لیے

بقیہ: ارشاداتِ عالیہ

اب کی جگہ ڈان، پاکستان ٹائمز، مشرق اور تعمیر وغیرہ نے لے لی ہے۔

تمام مسائل کا حل قرآن کے اتباع میں ہے

آج کل ہمارے بعض ناعاقبت اندیش سربراہانِ مملکت یہاں تک دریدہ دہن ہو چکے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہوئے ذرا باک نہیں محسوس کرتے کہ ہمارے مسائل کا حل سوشلزم میں ہے قرآن میں نہیں (معاذ اللہ)۔ ان بدبختوں نے ملک تو اسلام کے نام پر حاصل کیا مگر اسلام کو ایک دن بھی اس میں نافذ نہ کیا۔ ایک دن بھی اس میٹھے پھل سے اپنا منہ میٹھا نہ کیا اور خواہ مخواہ دوسرے ازموں کی طرف لپک رہے ہیں اللہ ان کو ہدایت اور عقل دے۔ جب قرآن کی جرعہ نوشی کریں گے تو پھر کسی ازم کی ضرورت نہ رہے گی کیونکہ ہمارے تمام مسائل کا حل قرآن کے اتباع میں ہے۔ جس خالق نے انسان کو بنایا ہے وہی اس کی افتادِ طبع سے بھی واقف ہے اسی نے یہ دستور بنایا جو بالکل درست اور قابلِ عمل ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی لیجسلیٹو اسمبلیوں کے بنائے ہوئے دساتیر بعد میں آنے والوں کے نزدیک ناقص اور ناقابلِ عمل قرار پاتے ہیں۔ پچھلے پہلوں کے قانون میں کیڑے نکالتے ہیں اور اپنا قانون بنا کر نافذ کرتے ہیں۔ مگر دوام کسی کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اب ان کے برعکس خالقِ ارض و سما کا آسمانی دستور آج تک اغیار کی دستبرد سے محفوظ ہے۔ صرف اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

دعا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآنی دستور کو صحیح نیت سے اپنی زندگی کے ہر گوشے میں نافذ کرنے کی اور اس کی دائمی برکات سے حظِ وافر حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

فرقِ باطلہ

بہاءاللہ ایرانی

ارسال کردہ: عبد الجلیل مدرس مظاہر العلوم کوٹ ادّو

مرزا حسین علی نوری المعروف بہاءُاللہ بن مرزا عباس ایرانی ۲ر محرم ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۲ر نومبر ۱۸۱۷ء بروز بدھ قصبہ نور اور بقول بعض تہران میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کی ۹ بیویاں تھیں جن سے تیرہ بچے پیدا ہوئے۔ ۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۳۹ء میں جبکہ اس کی عمر بائیس سال کی تھی والد فوت ہو گیا۔ ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں جب بہاءاللہ کے استاد علی محمد باب نے الہام اور مامور من اللہ ہونے کا دعوےٰ کیا تو اس نے ابتداء ہی میں اسے تسلیم کر لیا۔ اگرچہ بابی تحریک کے ابتدائی اٹھارہ اراکین میں بہاءاللہ کا نام شامل نہیں۔ تاہم پھر بھی اس نے بہت جلد اس تحریک میں اہم مقام حاصل کر لیا محرم ۱۲۶۵ھ دسمبر ۱۸۴۸ء میں یہ بغداد پہنچا جو اس وقت ترکی حکومت کے زیر نگیں تھا وہاں اس نے بابی تحریک میں نئے سرے سے جان ڈال کر اس نہج پر چلایا جو ایرانی حکومت کے لیے سراسر نقصان دہ تھا۔ برطانوی حکومت کی طرف سے بھی بہاءُاللہ کو برطانوی شہری بننے اور اپنی امان میں ہندوستان بھجوانے کی پیش کش ہوئی۔ اس قسم کے مخدوش حالات دیکھ کر ایرانی حکومت نے ترکی حکومت سے درخواست کی کہ چونکہ بغداد ایرانی سرحد سے قریب ہے اس لیے بہاءُاللہ کو کسی دوسرے مقام پر بھیج دیا جائے۔ چنانچہ مشورہ کے بعد یکم ذی قعد ۱۲۷۹ھ مطابق ۲۰ر اپریل ۱۸۶۳ء بروز پیر بہاءُاللہ اپنی دونوں بیویوں، تین بچوں اور دوسرے متبعین کے ہمراہ قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوتے کرکوک، موصل اور دیار بکر ہوتا ہوا وہاں پہنچا۔ چار ماہ بعد اسے ادرنہ بھجوا دیا گیا جہاں بہاءُاللہ نے اپنے وہ مخفی ارادے واشگاف کر دیے جو دیر سے دل میں چھپائے ہوئے تھا۔ ضروری سامان جمع کر لینے اور راستے کو ہموار کر لینے کے بعد اس نے مَنْ يُظْهِرُهُ اللّٰهُ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ علی محمد باب نے بھی اپنے بعد ایسے شخص کے مبعوث ہونے کی خبر دی تھی اور دوسرے بابیوں مثلاً مرزا عبداللہ غوغا۔ حسین میلانی، حسین ہندیانی وغیرہم نے بھی اس مقام کا دعویٰ کیا تھا لیکن بہاءُاللہ زیادہ مشہور ہوا اور بابیوں کی اکثریت نے اس کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا البتہ اس کے بھائی صبح ازل اور بعض دوسرے بابیوں نے اس کے دعویٰ کی مخالفت کی اور روز بروز اس میں ترقی ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ باہم لڑائی جھگڑا اور قتل و غارت تک نوبت پہنچ گئی جب ترکی حکومت نے یہ دیکھا کہ ان کا باہمی اختلاف امن عامہ کے منافی ہو چکا ہے تو اس نے بھائی صبح ازل کو قبرص اور بہاءُاللہ کو عکہ (فلسطین) میں قید کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ مطابق ۵ر اگست ۱۸۶۸ء بروز بدھ روانہ ہو کر ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۳۱ر اگست بروز پیر بہاءُاللہ اور اس کے ساتھی عکہ پہنچ گئے وہاں اور دوسرے مختلف مقامات پر قید و بند کی صعوبتیں اٹھانا پڑیں آخری ایام بڑی تلخی اور رنج و غم میں گذارے — ۱۲ شوال ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۰ر مئی ۱۸۹۲ء بروز اتوار بیمار ہوا اور یکم ذوالقعدہ ۱۳۰۹ھ ۲۸ر مئی ۱۸۹۲ء بروز ہفتہ پچھتر سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔

بہاءُاللہ کے بارے میں اس کے پیروکار یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ گویا وہ خود خدا تھا اور انسانی متشکل و

حوائج کے ساتھ ظہور پذیر ہُوا۔ خود بہاؤ اللہ نے اشراقات میں معصومیت کی ایک قسم لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ لکھی ہے۔ بہائیوں کے نزدیک یہی معصومیت بہاؤ اللہ کو حاصل تھی۔ (حالانکہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے کہ وہ جو چاہے کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں)

اس کے استاد علی محمد باب نے من یظہرہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ لایسئل عما یفعل کا مصداق ہوگا۔ وہ زندگی کا میدان ہے۔ وہ الٰہ ہے۔ وہ تمام اسماء و صفاتِ الٰہی کا منبع ہے۔ وہ خود ہی ذاکر اور خود ہی مذکور تھا (الاقدس ص ۱۷۰)

پروفیسر براؤن کی بھی یہی تحقیق ہے کہ بہاء اللہ کا دعویٰ خدا ہونے کا تھا۔ بہائیوں کی بہت بڑی تعداد اس کا یہی مقام مانتی ہے۔ (مشہور بہائی مصنف مرزا محمد جواد قزوینی کی کتاب کا انگریزی ترجمہ ص ۱۱)

بہائیت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلام کا کوئی فرقہ نہیں بلکہ ایک الگ مذہب ہے۔ البتہ اس کی تعلیمات اور معتقدات کا اکثر حصہ اسمٰعیلی عقائد سے مماثل ہے۔ نیز بہائی شریعت میں بلا امتیاز مذہب و ملت حتیٰ کہ مشرکین سے بھی نکاح جائز ہے۔ مہر پچانوے مثقال سونے سے زیادہ جائز نہیں (مثقال ۴½ ماشہ کا ہوتا ہے) قبلہ بیت اللہ کی بجائے بہاء اللہ کی جائے وفات حکم ہے۔ روزے ایک ماہ کے بجائے صرف انیس یوم کے ہیں جو مارچ میں رکھے جاتے ہیں اور صبح صادق کی بجائے طلوع شمس سے شروع ہوتا ہے۔ کسی کا مکان نذرِ آتش کرنے والے کو نذرِ آتش یا عمر قید کی سزا دی جاتی ہے۔ زنا کی سزا نو مثقال سونا جرمانہ، دوسری بار یہ جرم کرنے پہ اٹھارہ مثقال۔

بہائی تعلیمات میں اخفاءِ راز کو ہمیشہ اہمیت دی گئی ہے ذَهَبَكَ ذِهَابَكَ مَذْهَبَكَ۔ یعنی اپنی دولت اپنا سفر اور اپنا مذہب چھپانے کی تلقین عام طور پر کی جاتی ہے۔

ازواج و اولاد: بہاء اللہ نے دو شادیاں کیں اور ہر ایک سے چھ چھ بچے پیدا ہوئے۔ پہلی شادی ۱۸۳۵ء اٹھارہ برس کی عمر میں نواب نامی عورت سے کی اس سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ (۱) صادق (۲) عباس آفندی عبدالبہاء (۳) علی محمد (۴) مہدی (۵) علی محمد (۶) بہیّہ خانم۔

دوسری شادی ۱۸۴۹ء میں اپنی چچا زاد بہن مہد علیا سے کی۔ اس سے چار لڑکے (۱) محمد علی (۲) علی محمد (۳) ضیاء اللہ (۴) بدیع اللہ اور دو لڑکیاں (۱) صمدیّہ خانم (۲) لڑکی جو دو سال کی عمر میں فوت ہو گئی تھی۔ پہلی بیوی کے لڑکے عباس افندی کو بہاء اللہ نے غصن اعلیٰ کا لقب دیا۔ اور دوسری بیوی کے محمد علی کو غصن اکبر کا خطاب دیا تھا۔

بہاء اللہ کی وفات کے بعد دونوں بھائیوں میں شدید اختلافات کی وجہ سے بہائیت دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ عبدالبہاء عباس افندی کے پیروکار ثابتین اور محمد علی کے پیروکار ناقضین کے نام سے مشہور ہوئے۔

(ماخذ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۹۹ تا ۱۰۰ جلد ۵ مطبوعہ دانش گاہ پنجاب لاہور)

بقیہ: علماء کا تمسخر کیوں؟

بغیر بے دریغ مدرسوں کی مالی امداد کریں اور اس کے بعد وہ مدرسوں کی انتظامیہ پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہ کریں۔

۶:۔ دینی مدرسوں میں مذہبی علم کے علاوہ دیگر دنیاوی علوم کی تدریس کا انتظام بھی کیا جائے تاکہ جو طالب علم وہاں سے فارغ التحصیل ہوکر نکلے وہ مذہب کے ساتھ ساتھ دیگر علوم کی خوبیوں اور برائیوں پر بھی نظر رکھتا ہو۔ اس صورت میں دشمنانِ دین کے ساتھ بحث و مناظرہ اور تقابلی نظریے کے وقت کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے گا کہ مولانا کا علم محدود ہے۔

اگر ان تجاویز پر سختی سے عمل کیا جائے تو امید کی جا سکتی ہے کہ علماء کے وقار میں بھی اضافہ ہوگا اور مذہبی مدرسے بھی اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ پالیں گے۔

حکمرانی و رعیت کی نگہبانی

عبدالرحمٰن لدھیانوی۔ شیخوپورہ

جاننا چاہیے کہ بادشاہی ایک نہایت زبردست کام ہے اور زمین پر حق تعالیٰ کی خلافت ہے اور جب یہ عدل و انصاف سے خالی ہو جائے تو پھر شیطان کی خلافت ہے کیونکہ دل سے ملک کے خلاف ہجوم کرا اور کسی فساد کا دنیا میں اثر نہیں اور حکمرانی کی اصل علم و عمل ہے اور حکمرانی کا علم وسیع ہے۔ لیکن ان علوم کا عنوان یہ ہے کہ حکمران کو یہ جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اسے دنیا میں کیوں بھیجا ہے؟ اور اس کی قرارگاہ کونسی ہے؟ دنیا تو اس کی منزل گاہ ہے نہ کہ قرارگاہ۔ اور وہ ایک مسافر کی حیثیت سے ہے اس کی منزل کا ابتداء رحم مادر ہے اور انتہا منزل اس کی قبر ہے اور دنیا اس کے علاوہ ہے اور جو سال مہینہ یا دن اس کی زندگی کا گزرتا ہے وہ منزل کی طرح ہے اس کی وجہ سے وہ اپنی قرارگاہ کے بہت نزدیک ہو جاتا ہے۔ جو شخص پل پر سے عبور کرے اور پل کی عمارت میں اپنا وقت صرف کرے۔ وہ نہایت احمق ہے۔ عقلمند وہ ہے جو دنیا کی منزل میں سوائے زادِ آخرت کے اور کسی شے کا خواہاں نہ ہو۔ اور دنیا میں حسبِ ضرورت قناعت کرے اور جو حاجت سے زیادہ ہوگا وہ زہر قاتل ہے۔ موت کے وقت اس کی خواہش ہوگی کہ کاش میرے خزانوں میں بجائے سونے چاندی کے خاک بھری ہوتی جس قدر بھی جمع کرے گا لیکن اس میں سے بقدرِ کفایت نصیب ہوگا باقی سب حسرت و اندوہ کا باعث ہوگا اور حالتِ نزاع میں تکلیف اٹھائے گا اور یہ حسرت بھی مال کے حلال ہونے کی صورت میں ہوگی اگر حرام ہوگا تو عذابِ آخرت اس حسرت سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ دنیوی خواہشات سے دست بردار ہونا ممکن ہے کہ آدمی کا ایمان تو اس بات پر ہونا چاہیے کہ لذتِ دنیا فانی اور سراپا کدورت ہے اور اس کی وجہ سے لذتِ آخرت جو لازوال سلطنت ہے ضائع ہو جائے گی، لہٰذا چند دن تک صبر کر لینا نہایت سہل ہے اس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی آدمی کسی پر عاشق ہے اسے کہا جائے کہ اگر تو آج کی رات صبر سے کام لے گا تو آئندہ معشوق بلا دغدغہ رقیب ہزاروں راتوں کے واسطے تیرے حوالے کر دیا جائے گا۔ اگرچہ اس کا عشق کتنا ہی بیقرار کرنے والا کیوں نہ ہو لیکن وہ ہزار شب وصال کی امید پر ایک رات صبر کرنا اس کے لیے نہایت آسان ہوگا۔ دنیا کی مدت آخرت کی مدت کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ہے بلکہ اس کی نسبت سے کچھ نسبت ہی نہیں اور ابد کی درازی آدمی کے وہم و خیال سے بلند تر ہے اگر زمین و آسمان کو دانوں سے بھرا ہوا فرض کر لیں اور ہزار برس کے بعد ایک چڑیا اس میں سے ایک ایک دانہ چگے اور وہ سب تمام ہو جائیں لیکن ابدیت ابد سے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ اگر آدمی سو برس کی عمر حاصل کرے اور مشرق سے مغرب تک اس کے زیر اقتدار ہو تو بھی آخرت کی سلطنت کے مقابلہ میں اس کی کچھ قدر و قیمت نہیں پھر جس شخص کو دنیا میں تھوڑا حصہ ہی نصیب ہوا اور وہ بھی صاف نہ ہو تو پھر سلطنتِ جاودانِ آخرت کو اس حقیر کے بدلے میں کیوں فروخت کیا جائے؟ اور جو حاکم و حکمران ہوں ان کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے دل میں ان امور کو تازہ کریں تاکہ چند روزہ خواہشات پر صبر کرنا اور رعایا سے انصاف کے ساتھ پیش آنا اور حق تعالیٰ کی خلافت کو بجا لانا ان کے لیے آسان ہو جائے آدمی جب یہ جان لے تو فرمانروائی میں اس طرح مشغول ہو جس طرح اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اور اس طرح مشغول نہ ہو جو صلاح دنیا ہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ کے نزدیک عدل سے زیادہ اچھی اور کوئی عبادت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بادشاہ کا ایک دن عدل کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور یہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے روز سات آدمی حق تعالیٰ کے سایہ میں ہوں گے تو ان سب میں سے جو پہلا شخص ہے وہ بادشاہ عادل ہے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بادشاہ عادل حق تعالیٰ کا نہایت مقرب اور دوست ہوتا ہے اور ظالم بادشاہ نہایت مغضوب ہوتا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں جتنی تمام مخلوق نیک عمل کرتی ہے اسی قدر بادشاہ عادل کے اعمال آسمان پر لے جائے جاتے ہیں اور سلطان عادل کی نماز ستر ہزار نمازوں کے برابر ہوتی ہے اس سے بڑھ کر اور کیا لوٹ ہوگی کہ حق تعالیٰ

ٹیلیفون نمبر
۶۰۵۳۵

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

ٹیلیگرام نمبر
۶۰۶۲۶

منظور شدہ محکمۂ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۴۴۲۱ مورخہ ۲ مئی ۱۹۵۲ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۴-۲۲۹۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۴ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۲۰۶۹۶-D.D.A مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۶۲ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی نمبر G.M/۳۰-۱۵۲۱۰ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۶ء

جسے منصب سلطنت عطا کرے اس کی ایک ساعت تمام لوگوں کی ساری عمروں کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص حق تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر نہ کرے اور ظلم و خواہشات نفسانی میں مشغول ہو تو وہ نہایت ہی شدید عذاب کا مستحق ہوگا۔ اور عدل جب ہی ہو سکتا ہے کہ بادشاہ مندرجہ ذیل دس اصولوں کو پیش نظر رکھے۔

پہلا اصول: اس کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہو تو اپنے آپ کو رعیت خیال کرے اور بادشاہ کسی اور کو سمجھے۔ اور جو بات اپنی ذات کے لیے پسند نہ کرے وہ دوسرے کے لیے بھی نہ چاہے اگر چاہے گا تو بادشاہی میں دغا اور خیانت ہوگی۔

دوسرا اصول: اپنے دروازہ پر حاجت مندوں کا انتظار پسند نہ کرے اور جب تک کسی مسلمان کی حاجت باقی رہے اس کے خطرے سے حذر کرتا رہے اور کسی نفل یا عبادت میں مشغول نہ ہو کیونکہ مسلمان کی حاجت روائی کرنا نفلی نماز سے بہتر ہے۔

تیسرا اصول: اچھا پہننے اور اچھا کھانے کی عادت نہ ڈالے اور ہر بات پر قناعت کرے کیونکہ قناعت کے بغیر عدل ممکن نہیں۔ حضرت عمرؓ نے سلمانؓ سے پوچھا کہ جو میری بات تمہارے ناپسند ہو وہ تم نے کیا سنی ہے؟ انہوں نے کہا میں نے سنا ہے کہ ایک دفعہ دو قسم کا سالن آپ کے دستر خوان پر ہوتا ہے اور آپ کے دو پیرہن، ایک رات کا اور ایک دن کا۔ فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ سنا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا یہ دونوں غلط ہیں۔

چوتھا اصول: ہر کام میں نرمی کرے، سختی سے کام نہ لے اور جو شخص سختی کرے اس کے ساتھ بھی نرمی سے پیش آئے۔ فرمایا ہے کہ جو حاکم حکومت کا حق بجا لائے اس کے لیے حکومت اچھی شے ہے اور جو بجا نہ لا سکے اس کے حق میں بری ہے۔ خلیفہ ابو ہشامؒ نے ابو حازمؒ سے پوچھا حکومت میں نجات حاصل کرنے کی کیا تدبیر ہے۔ فرمایا درہم اس جگہ سے لو جہاں سے لینا حلال ہے اور ایسی جگہ خرچ کرو جہاں خرچ کرنا مناسب ہو۔ خلیفہ نے کہا یہ کون کر سکتا ہے۔ فرمایا وہ شخص جو عذاب قبر سے ڈرتا ہو اور بہشت کو عزیز رکھتا ہو۔

پانچواں اصول: حاکم کوشش کرے کہ رعایا شرع کی موافقت و مطابقت کے ساتھ رعایا سے خوش رہے۔ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ سب حاکموں سے بہتر وہ حکام ہیں جنہیں تم دوست رکھو اور وہ تمہیں دوست رکھیں اور بدترین وہ حکام ہیں جنہیں تم بھی دشمن رکھو اور وہ تمہیں دشمن رکھیں اور تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ حاکم کو چاہیے کہ وہ لوگوں کی تعریف سے خوش نہ ہو اور یہ نہ سمجھے کہ سب اس سے خوش ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ سب خوف کے مارے تعریف کرتے ہوں بلکہ نہایت معتمد لوگ مقرر کرنا چاہئیں۔ تاکہ وہ اصل کیفیت کی تحقیق کریں۔ اور لوگوں سے اس کا حال دریافت کریں کیونکہ آدمی کو اپنے عیوب لوگوں کی زبانی معلوم ہو سکتے ہیں۔

چھٹا اصول: حاکم خلاف شریعت کسی کی رضامندی کو نہ چاہے کیونکہ جو شخص شرع کی مخالفت سے خوش ہوتا ہے اس کی ناخوشی کچھ اثر نہیں رکھتی اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جناب فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ میں جب دن کو اٹھتا ہوں تو بعض لوگ مجھ سے خفا ہوتے ہیں اور یہ ضروری ہے کہ جب ظالم کو سزا دی جائے گی تو وہ ناخوش ہوگا۔ اور فریقین کو خوش کرنا محال ہے وہ شخص نہایت نادان ہے جو مخلوق کی رضامندی کے لیے حق تعالیٰ کی رضامندی کو چھوڑتا ہے۔

(باقی آئندہ)

۹

دعائے مغفرت کی درخواست

میرے والد مولوی عنایت محمد (مرحوم) کے لیے قارئین خدام الدین سے مغفرت اور رفع درجات کیلئے دعا کی درخواست ہے

(میاں ظہور احمد صدر ایم-آئی ایسوسی ایشن لاہور)

عبید اللہ انور پرنٹر نے باہتمام کمبرج پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔